ملتان میں تاریخ و اصول حدیث پر ہونے والے کام کا تنقیدی جائزہ

محمد ظفر اقبال سعیدی*

محمد اکرم رانا**

Abstract

The religion Islam offers complete code of life. It throws light on each and every aspect of human behaviour. It is based on two ultimate sources: The Holy Quran and The Hadith. Both the sources have played an important role in the establishment of code of conduct. Throughout the history the scholars of the ancient and the modern times have played an important role to make them understandable. We have seen especially in Madaris where these two sources were taught thoroughly. And the relationship of the Quran and Hadith was also discussed finalized. In this article Hadith and its Principles is our subject of discussion. How it were taught and addressed in the area of Multan. A critical analysis is also offered on the sources of Hadith and its Principles. At the end some conclusion is also drawn.

Keyword: Hadith, Usul, Discourse, Analysis, Discussion, Learned

تعارف:

امت مسلمہ میں آغاز بعثت سے آج تک علوم الحدیث کی خدمت، اس کی ترویج اور اشاعت کا کام سب سے زیادہ مقبول اور پسندیدہ رہا ہے۔ عالم اسلام کے دیگر خطوں کی طرح ملتان بھی اس حوالہ سے امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ زیر نظر مضمون میں انیسویں اور بیسویں صدی میں تاریخ و اصول حدیث کے حوالہ سے چار اہم کاوشوں کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

ملتان مردم خیز خطہ ہے اور قدیم ترین شہروں میں سے ایک اہم شہر ہے۔ اہم ترین مراکز علم و فن میں ایک مرکز رہا ہے۔ اس شہر کی اہمیت وقت کے ساتھ ساتھ بدلنے کے باوجود مجموعی طور پر ملتان سرزمین برصغیر پاک و ہند میں ستارے کی طرح جگمگاتا رہا۔ ملتان میں دوسرے علوم و فنون کے ساتھ ساتھ علم حدیث میں بھی خدمات سرانجام دی گئی ہیں۔

---

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

** سابق پروفیسر و چیئرمین، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

زیر بحث مقالہ کے عنوان کے مطابق ملتان میں اصول حدیث پر کام کرنے والی پہلی شخصیت کا نام مولانا عبد العزیز پرہاروی ہے۔ آپ ۱۲۰۶ھ میں ضلع مظفر گڑھ ملحقہ ملتان میں پیدا ہوئے۔ حافظ جمال اللہ ملتانی سے فیض حاصل کیا اور ۱۲۳۹ھ میں وفات پائی[1]۔ ان کی تصنیف کا نام کوثر النبی فی اصول الحدیث النبوی ﷺ ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے۔ اس کتاب میں اصول حدیث کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ کتاب کے ماخذ درج ذیل ہیں: ۱۔ القرآن، ۲۔ صحیح بخاری، ۳۔ صحیح مسلم، ۴۔ جامع ترمذی، ۵۔ سنن ابو داؤد۔ ملتان میں اصول حدیث پر کام کرنے والی دوسری شخصیت کا نام مولانا خیر محمد جالندھری ہے۔ آپ ۱۳۱۳ھ میں جالندھر (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ اپنے دور کے جید علماء سے علم حاصل کیا جن میں سید انور شاہ کشمیری اور سید حسین احمد مدنی کے نام قابل ذکر ہیں۔ ۱۹۴۷ء کو پاکستان آئے اور ملتان میں مدرسہ خیر المدارس کی بنیاد رکھی اور ۱۳۹۰ھ کو وفات پائی اور ملتان میں سپرد خاک ہوئے۔[2] آپ کے رسالے کا نام خیر الاصول فی حدیث الرسول ﷺ ہے۔ اصول حدیث کے حوالے سے یہ رسالہ مدارس کے طلباء کے لیے بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اس رسالہ کے مآخذ یہ ہیں: ۱۔ غنیۃ الطالبین (از شیخ عبدالقادر جیلانیؒ)، ۲۔ اصول حدیث (از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)، ۳۔ اصول حدیث (از مفتی الٰہی بخش کاندھلوی)۔ تاریخ و اصول حدیث کے موضوعات پر کام کرنے والی تیسری شخصیت علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی ہیں۔ آپ ۱۳ مارچ ۱۹۱۳ء کو بھارت کے شہر امروہہ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت برادر معظم سید خلیل احمد کاظمی کی نگرانی میں ہوئی۔ تاریخ پاکستان میں بھرپور انداز میں شرکت کی۔ جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں شیخ الحدیث کی خدمات سرانجام دیں، ملتان میں مدرسہ انوار العلوم کی بنیاد رکھی۔ رمضان المبارک جمعہ کے روز ۱۹۸۶ء کو وفات پائی۔[3] آپ کو ملتان میں سپرد خاک کیا گیا۔ ان کے درج بالا موضوعات پر مقالات ان کی تصنیف مقالات کاظمی جلد اول، دوم اور جلد سوم میں درج ہیں۔ مقالات کاظمی کے مآخذ درج ذیل ہیں: ۱۔ القرآن، ۲۔ صحیح بخاری، ۳۔ صحیح مسلم، ۴۔ جامع ترمذی، ۵۔ سنن ابو داؤد، ۶۔ بوادر النوادر (از مولانا اشرف علی تھانوی)، ۷۔ تقویۃ الایمان (از مولانا اسمٰعیل شہید)۔ اس موضوع پر خدمات سرانجام دینے والی چوتھی شخصیت کا نام مولانا فیض احمد ملتانی ہے۔ آپ ۱۹۲۰ء کو ملتان میں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت ملتان سے حاصل کی اور جامعہ خیر المدارس میں شیخ الحدیث کے

---

[1] عبدالستار تونسوی، (ملتان: روزنامہ کوہستان، ۲۵ دسمبر ۱۹۴۷ء)، ۲۰

[2] آفتاب احمد، مولانا، **خیر السوانح**، (ملتان: مکتبہ امدادیہ)، ۱۳

[3] سعیدی، امانت علی، **حیات غزالی زماں**، (ملتان: کاظمی پبلشرز، ۲۰۰۳ء)، ۴۱

منصب پر فائز رہے اور ۱۹۹۹ء کو وفات پائی۔[4] ان کی کتاب کا نام مقام حدیث معہ ازالہ شبہات ہے۔ جو بعد میں المسائل والدلائل کے نام سے طبع ہوئی ہے۔ اس تصنیف کے مآخذ مندرجہ ذیل ہیں: ا۔ القرآن، ۲۔ صحیح بخاری، ۳۔ صحیح مسلم، ۴۔ جامع ترمذی، ۵۔ سنن ابو داؤد، ۶۔ تدوین حدیث (از مولانا مناظر احسن گیلانی)۔ مندرجہ بالہ عنوان پر ایک اور شخصیت پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی ہیں۔ آپ ملتان کی عظیم درسگاہ بہاء الدین زکریا یونیورسٹی میں پروفیسر رہے اور علامہ اقبال یونیورسٹی سے ریٹائرڈ ہوئے۔ آج بھی علم حدیث سے متعلقہ موضوعات پر ان کے لیکچرز اور مضامین قارئین کے لیے خاص دلچسپی کا باعث ہیں۔ ان کی کتاب علوم الحدیث میں علم حدیث پر مدلل اور مفصل گفتگو کی گئی ہے۔ اس کتاب کے مآخذ درج ذیل ہیں:

ا۔ القرآن ۲۔ صحیح بخاری ۳۔ صحیح مسلم ۴۔ جامع ترمذی

۵۔ سنن ابو داؤد ۶۔ تدوین حدیث از مولانا مناظر احسن گیلانی

اب ان شخصیات کے کام کا تنقیدی جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

تاریخ حدیث پر کام کا تنقیدی جائزہ:

موضوع زیر بحث ملتان میں تاریخ واصول حدیث پر کام کا تنقیدی جائزہ زمانی ترتیب کے مطابق پہلے علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی کے کام کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ آپ نے مقالات کاظمی میں عنوان نمبر ۱۰ تا ۱۲ بعنوان کتابت حدیث دوم حضرات صحابہ کرام و کبار تابعین کرام کے عہد میں حدیث اور سوم تدوین حدیث مضامین درج ہیں۔ اب ان کا تنقیدی جائزہ پیش خدمت ہے۔

کتابت حدیث کے عنوان سے صفحہ نمبر ۲۴۵ تا ۲۴۶ مواد تحریر ہے جس میں عہد نبوی میں کتابت حدیث کو سنن ابو داؤد کی ایک حدیث سے ثابت کیا گیا ہے ایک بات پہلے تسلیم کرتے ہیں کہ "یہ درست ہے کہ عہد صحابہؓ میں احادیث کی تدوین کتابوں کی صورت میں نہیں ہوئی"[5] لیکن پھر فرماتے ہیں کہ "اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ عہد رسالت میں مطلقاً کتابت حدیث نہیں ہوئی"[6] لکھتے ہیں بلکہ خود رسول ﷺ نے بعض صحابہ کو حدیثیں لکھنے کا حکم فرمایا سنن ابو داؤد میں ہے۔

---

[4] مولانا شبیر الحق کشمیری، (روزنامہ نوائے وقت، ۲۸ جنوری ۲۰۰۰ء)، ۱۰

[5] کاظمی، احمد سعید، سید، **مقالات کاظمی**، (ملتان: کاظمی پبلیشرز، ۲۰۰۳ء)، ۱: ۲۴۵

[6] ایضاً، ۱: ۲۴۵

عن عبدالله بن عمرو قال کنت اکتب کل شی اسمعه من رسول الله ﷺ ارید حفظه فنهتنی قریش وقالو اتکتب کل شی تسمعهٗ ورسول اللهﷺ بشر یتکلم فی الغضب والرضاء فامسکت عنِ الکتابۃفذکرت ذٰلك الی رسول الله ﷺ فاو ماء باصبعه الیٰ ا فیه فقال اکتب فوالذی نفسی بیده مایخرج منه الا حق[7]

”حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول ﷺ سے ہر سنی ہوئی حدیث کو یاد کرنے کیلئے لکھ لیا کرتا تھا قریش کے چند لوگوں نے مجھے روکا اور کہا کہ رسول ﷺ سے ہر سنی ہوئی بات لکھ لیتے ہو حالانکہ رسول ﷺ بشر ہیں وہ غضب اور رضا دونوں حالتوں میں کلام فرماتے ہیں (قریش کی یہ بات سن کر) میں کتابت حدیث سے رک گیا اور میں نے یہ بات رسول ﷺ کی خدمت میں عرض کی حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا سب کچھ لکھ لیا کرو اور اپنی مبارک انگلی سے اپنے دہن اقدس کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جس ذات پاک کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں اس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس دہن مبارک سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔“

روایت میں واقعہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کے ساتھ پیش آیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ اکتب یعنی لکھ لیا کرو۔ کیونکہ اس زبان اقدس سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔

اس حدیث سے شاہ صاحب نے کتابتِ حدیث کے بارے میں صریح حکم اخذ کیا ہے لکھتے ہیں "اس حدیث میں کتابت حدیث کا صریح حکم وارد ہے" یہی یہ اس حدیث کا معنیٰ متعین کیا ہے جو اس حدیث سے متعارض محسوس ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ لا تکتبوا عنی غیر القرآن۔ کہ مجھ سے قرآن مجید کے ساتھ اور لکھنے سے منع کیا گیا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ قرآن غیر قرآن سے مخلوط ہو جائے نتیجہ یہ نکالا ہے کہ ”عہد رسالت مآب میں کتابت حدیث ثابت ہے مگر عام نہیں کیونکہ کتابی صورت میں تدوین حدیث اس عہد میں نہیں ہوئی۔“[8]

اسی بات سے اوپر بیان کیا گیا حکم قابل بحث آتا ہے کہ کتابتِ حدیث کا صریح حکم میرے خیال میں اسے حکم کی بجائے اجازت تک محدود سمجھا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ اس کی ایک وجہ تو روایت میں بیان ہونے والا واقعہ

---

[7] ابی داؤد، حافظ سلیمان، بن اشعت سجستانی م ۲۷۵ھ، سنن ابی داؤد، (بیروت: المکتبہ الاسلامی، ۱۴۰۱ھ)، ۲: ۵۱۳ تا ۵۱۴

[8] **مقالات کاظمی**، ۱: ۲۴۶

ہے کہ عبد اللہ بن عمرو بن العاص قریش کے کہنے پر حدیث لکھنے سے رک گئے تھے۔ آپؐ نے انہیں لکھنے کی اجازت دیتے ہوئے یہ اطمینان دلایا کہ اس زبان مبارک سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ اگر اس حدیث سے کتابت حدیث کا صریح حکم ثابت کیا جائے تو ساتھ ہی اس بات کو تسلیم کیا جائے کہ عہد نبوی میں کتابت حدیث نہ ہونے کی وجہ سے کتب حدیث مرتب نہ ہو سکیں تو پھر حکم صریح پر عملدرآمد میں کوتاہی ماننی پڑے گی جو کہ محال ہے۔ صحابہ کرامؓ نے ارشادات رسول ﷺ اور اعمال واحوال کو اپنے سینوں میں محفوظ رکھا احاطہ تحریر میں سارا ذخیرہ احادیث نہ لایا جاسکا یہ کام دوسری صدی کے اواخر اور تیسری صدی کے آغاز میں وسیع پیمانے پر شروع ہوا اور اب تک جاری ہے۔

دوسرا مضمون بعنوان حضرات صحابہ کرامؓ وکبار تابعین کے عہد میں حدیث ہے یہ مختصر مضمون صفحہ ۲۴۶ کے نصف سے شروع ہو کر صفحہ ۲۴۸ کے نصف پر ختم ہو جاتا ہے اس مضمون میں آیت کریمہ '' لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ ''[9] کے تحت اتباع رسول ﷺ کو ثابت کیا ہے اور اسی سے حدیث رسول ﷺ کی ضرورت ثابت کی ہے اسی ثبوت سے اتباع کرنے والوں پر حدیث کو جاننا اور یاد رکھنا لازم آتا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

''اسی لیے تقریباً دس ہزار صحابہ کرامؓ نے احادیث مقدسہ اپنے سینوں میں ضبط کر کے تابعین کو پہنچائیں اور تابعین نے تبع تابعین کو اسی طرح سنت مقدسہ واحادیث کریمہ کی نعمت عظمیٰ ہم تک پہنچی۔''[10]

چار مقلّین سات مکثرین پھر صحابہ کرامؓ اور ۱۸ تابعین کے اسماء گرامی مع سن وفات کے درج کیے ہیں پھر ان مراکز کا بھی تذکرہ کیا ہے جس میں ان حضرات نے خدمت حدیث کا کام سرانجام دیا، لکھتے ہیں:

''مثلاً مدینہ منورہ میں چار سو چوراسی (۴۸۴) تابعین کے حالات طبقات ابن سعد وغیرہ کتب، تاریخ وسیئر میں ملتے ہیں اسی طرح مکہ مکرمہ میں ایک سو اکتیس (۱۳۱) اور کوفہ میں چار سو تیرہ (۴۱۳) بصرہ میں ایک سو چونسٹھ (۱۶۴)''[11]

---

[9] الاحزاب:۲۱

[10] **مقالات کاظمی**، ا: ۲۴۷

[11] ایضاً، ا: ۲۴۸

تیسرا مضمون تدوین حدیث کے عنوان سے صفحہ ۲۴۸ کے نصف آخر سے شروع ہو کر صفحہ ۲۴۹ تک درج ہے اس مضمون میں پہلے تدوینِ حدیث کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اہل بصیرت حضرات کو اس زمانہ کے حالات کے پیش نظر یہ خطرہ محسوس ہوا کہ اگر کتابی صورت میں تدوینِ احادیث کا کام نہ کیا گیا تو اس نعمت عظمٰی سے محروم ہو جائیں گے۔"[12]

پھر مکتب حدیث لکھنے والے حضرات کے نام تحریر کیے جن میں سنِ وفات کی ترتیب پیش نظر رہی ہے آغاز ربیع بن صبیح م ۱۶۰ھ میں موسٰی بن عقبہ م ۱۴۱ھ سے کیا ہے اور اختتام امام ابن ماجہ م ۲۷۳ھ پر کیا ہے اس دوران بڑے محدثین جنھوں نے کتب حدیث مرتب کی ہیں ان کے نام مع سن وفات درج کر کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں:

"ہم ان صحابہ کرامؓ و تابعین عظام و اجلہ محدثین کے اس احسانِ عظیم کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہیں کہ انہوں نے رسول ﷺ کی احادیث مقدسہ کو کتابی صورت میں مدون کر کے امت مسلمہ کیلئے ہدایت کا ایک روشن مینار کر کے سنن نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کے انوار سے ہر مومن کے دل کو منور فرمایا۔"[13]

تاریخ حدیث میں یہ مضامین بہت مختصر اور ابتدائی معلومات پر مبنی ہیں دور حاضر میں مستشرقین کے زیرِ اثر اور مسلمان اہل علم کی ہاں حفاظتِ حدیث پر جو سوالات پیدا ہو گئے ہیں ان کو ان مضامین میں موضوع بحث نہیں بنایا گیا۔

ان مضامین کے مخاطب عقیدت مند پیروکار ہیں جن کو عقیدت و محبت کی زبان میں عظمت حدیث اور اتباعِ حدیث کی طرف مائل کیا گیا ہے اور ان کے اندر عقیدت پیدا کر کے ان سے حدیثِ رسول ﷺ کی پیروی کا مطالبہ کیا گیا ہے مثلاً یہ جملہ ملاحظہ فرمائیں "اسی طرح سنن مقدسہ واحادیث کریمہ کی نعمت عظمٰی ہم تک پہنچی"[14] اس ایک جملے میں سنن، احادیث کے ساتھ دو اسم صفت لگا کر پھر ان کو نعمت قرار دے کر نعمت کے ساتھ بھی اسم صفت لگائی ہے یہ مثال ہے عقیدت کی انتہا کی۔ حضرت نے عربی اور فارسی زبان میں مہارت تامہ ہونے کی

---

12 **مقالات کاظمی**، ا: ۲۴۸

13 ایضاً، ا: ۲۴۹

14 ایضاً، ا: ۲۵۰

وجہ سے اردو زبان میں عربی الفاظ اصطلاحات اور محاورات وغیرہ کو بڑی سلاست اور روانی کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ یہ بات اہل علم کیلئے فضیلت لیکن عامی کیلئے حجاب بن جاتی ہے مثلاً فرماتے ہیں:

"ان صحابہ کرام میں جن حضرات کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ اگر انہوں نے اکثار فی الروایہ سے کام لیا تو وہ خطا میں واقع ہو جائیں گے انہوں نے قلت روایت کو اختیار کیا اور جنہیں یہ اندیشہ نہ تھا انہوں نے اکثار فی الروایہ پر عمل کیا۔"[15]

اس مثال میں اکثار فی الروایہ خالص عربی اصلاح ہے جو صرف عربی پس منظر رکھنے والے اردو داں اہل علم کیلئے قابل فہم ہو سکتی ہے مگر عربی پس منظر سے بے بہرہ اردو پڑھنے والے کیلئے اس کو سمجھنا مشکل ہی نہیں بوجھل بھی ہے۔ اس عبارت میں ایک اور جملہ ملاحظہ کریں "تو وہ خطا میں واقع ہو جائیں گے" یہ بھی عربی اسلوب پر مبنی جملہ ہے ورنہ سادہ اردو میں اسے اس طرح لکھا جاتا تو عام فہم بھی ہو جاتا اور رواں بھی تو وہ خطا میں پڑ جائیں گے یا ان کے خطا میں پڑنے کا امکان ہے یہاں تک تو بات زبان کی تھی۔

اوپر بیان ہونے والے مؤقف میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مقلین میں خلفاء راشدین کو شمار کر کے ان کے قلیل الروایہ ہونے کی وجہ ان کا اپنے بارے میں خطا میں پڑنے کے امکان کو بتایا گیا ہے جبکہ اسی دور کے وہ صحابہ جو بہت بعد میں ایمان لائے اور کثیر الروایہ ٹھہرے ان کے کثیر الروایہ ہونے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ انہیں اپنے اوپر اعتماد تھا اور وہ خطا میں پڑنے سے اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے تھے۔ قلیل الروایہ اور کثیر الروایہ صحابہ کے درمیان فرق کی جو وجہ بیان کی گئی ہے وہ یہ سوال پیدا کرتی ہے کہ کیا خلفاء راشدین کو اپنے خطا میں پڑنے کا اندیشہ تھا۔ عام تصور تو یہ ہے کہ خلفاء راشدین کا فہم دین، تعلق بالرسولؐ اور اتباع واطاعتِ رسولؐ کا معاملہ دیگر صحابہؓ سے بھی افضل تھا پھر وہ اپنے بارے میں خاص اقوال، احوال اور اعمال رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے بیان کرنے کے بارے میں کیسے خطا میں پڑنے کا سوچ سکتے تھے اگرچہ ہر صحابی ستارہ ہے مگر ہر صحابی کو خلیفہ راشد ہونے کا شرف تو حاصل نہیں ہے۔

یہ سوال اہم ہے اور اس کا جواب دینا چاہیے تھا۔ مگر یہاں پر محترم کاظمی شاہ صاحب نے اختصار سے کام لیا ہے اس لیے جو روایات نقل ہوتی چلی آرہی ہیں ان کو من وعن نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

---

[15] ایضاً، ا: ۲۴۶

حضرت علامہ احمد سعید کاظمی شاہ صاحب کی تاریخ حدیث پر یہی مضامین ان کی کتب مقالات کاظمی سے دستیاب ہوئے ہیں۔ان کے علاوہ حدیث پر ان کے کام میں تاریخِ حدیث پر زیادہ مواد نہ ہے دراصل شاہ صاحب قدیم محدثین کی روایت کے امین نظر آتے ہیں جنہوں نے تاریخِ حدیث کو آج کے اسلوب میں موضوعِ بحث نہیں بنایا۔

ملتان میں تاریخِ حدیث پر جس شخصیت کا کام میسر آسکا ہے وہ ہیں مولانا فیض احمد صاحب ملتانی تاریخ حدیث پر آپ کا کام آپ کی کتاب "مقام حدیث مع ازالہ شبہات" میں مختلف عنوانوں کے تحت درج ہے۔جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے اس کتاب کا اصل موضوع حدیث کے مقام کو بیان کرنا اور ان شبہات میں سے بعض کو دور کرنا جو تاریخِ حدیث کے بارے میں بھی پائے جاتے ہیں جن کو زیرِ بحث لا کر ان کے جواب دیے گئے ہیں۔ان کا انداز تحقیقی کی بجائے عامیانہ ہے مثلاً تاریخ اور حدیث نبوی میں چند امتیاز کے عنوان سے رقمطراز ہیں:

"کہا جاتا ہے کہ حدیث نبویؐ بیش از بیش تاریخ کا حصہ ہے اور تاریخ کو دین یا دینی حجت نہیں کہا جاسکتا۔"[16]

اس حوالے میں بحث کا آغاز کہا جاتا ہے سے کیا گیا ہے حدیث کے ماہر ہونے کے حوالے سے مولانا محترم کو بھی علم ہے کہ قیل یا ذُکِرَ سے شروع ہونے والی روایت کا کیا درجہ ہوتا ہے۔یقیناً یہ کمزور درجے کی روایت ہوتی ہے دورِ حاضر کی تحقیق تو اسے قابل اعتناہی نہیں سمجھتی۔لہٰذہ دورِ حاضر کی تحقیق کے اصولوں کے مطابق کسی قائل کا بیانیہ من وعن نقل کرنے کے بعد اس پر تنقید کی جاتی ہے۔

اس بحث کو حضرت مولانا جس رخ پر لے گئے ہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے معترض کے اعتراض کو صحیح طور پر سمجھا ہی نہیں معترض کے اعتراض میں مجرد تاریخ یا قرآن مجید میں بیان ہونے والی تاریخ کو حجت نہ ماننے کی بات نہیں کی گئی بلکہ جمع تدوین حدیث اور حدیث میں بیان ہونے والے ان واقعات کو زیر بحث لانے کی بات کی گئی ہے جن کو اسرائیلیات موضوع یا ضعیف روایات کے نام سے ہمارا ذخیرہ حدیث میں یاد کیا جاتا ہے۔دین میں حجت قرآن ہے یا سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔قرآن کی حفاظت کے بارے میں امت مسلمہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔جبکہ سنت رسولؐ یا تو قرآن میں بیان ہوئی ہے یا حدیث میں حدیث ہمارے پاس اس طرح

---

[16] ملتانی، فیض احمد، مولانا، **مقام حدیث مع ازالہ شبہات** (ملتان: مکتبہ حقانیہ، س۔ن)، ۷

ایک کتاب کی صورت میں نہیں پہنچی جیسے قرآن مجید علم حدیث کا نام آتے ہی حدیث کی اقسام کا ذکر آتا ہے جس میں مقبول اور مردود ہونے کے اعتبار سے حدیث کی بہت سی قسمیں ہمارے سامنے آتی ہیں جن کی قبولیت اور عدم قبولیت کے بارے میں امت کے علماء مختلف الرائے ہیں۔اس بنیادی حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے اس موضوع پر بحث نتیجہ خیز ہو سکتی ہے ورنہ جیسا کہ مولانا نے بحث کو اٹھایا ہے وہ مسئلے کے حل کیلئے چندہ مفید نہیں ہے بلکہ نئے مسائل پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔مولانا کا نقطہ نظر ملاحظہ فرمائیں:

”سو یاد رہے کہ سب سے پہلے تو یہی کہنا غلط ہے کہ تاریخ، دین کے باب میں مطلقاً حجت اور قابل استناد نہیں کیونکہ قرآن پاک کے تیس پاروں میں سے کوئی پارہ اور کوئی بڑی سورت چراغ لے کر بھی ڈھونڈنے سے ایسی نہیں ملے گی جس میں امم ماضیہ کے احوال واعمال پر متنبہ نہ کیا گیا ہو تاریخی حقائق اور ان کے عبرت ناک عواقب ونتائج سے دنیا کو آگاہ نہ کیا گیا ہو تو کیا صحیح تاریخ پر مشتمل قرآن عزیز کے اس ضخیم حصہ کو بھی معاذاللہ دینی حجت کے باب سے نکال دیں گے اگر جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو ثابت ہوا کہ ہر وہ کلام دینی حجت ہے جس کی نسبت شارع علیہ السلام کی طرف مستند طریق سے ثابت ہو گو وہ تاریخ ہی کیوں نہ ہو۔“[17]

مندرجہ بالا پیراگراف میں جس طرح تاریخ، قرآن، اور حدیث کو کہیں بالمقابل کہیں ایک دوسرے کا حصہ قرار دے کر خلطِ مبحث کیا گیا ہے ایسا دراصل قدیم وجدید کے فہم میں فرق کی وجہ سے ہوا ہے قدیم اسلوب اور جدید اسلوب جدا جدا ہیں اب علوم کی تقسیم زیادہ واضح ہو گئی ہے اور دورِ حاضر کا پڑھا لکھا طبقہ تاریخ،اصول اور متن میں فرق سمجھتا اور قرآن، حدیث فقہ اور تاریخ کے مضامین کو الگ الگ کر کے دیکھتا ہے۔لہٰذہ قدیم کیلئے جدید ذہن کا اظہار بیان ایک حجاب بن گیا ہے حالانکہ مولانا فیض احمد صاحب نے آخری فقرے میں جو بات کہی ہے وہی اصل میں زیرِ بحث ہے وہ ہم دوبارہ پیش کرتے ہیں تاکہ بات آگے بڑھانے میں آسانی رہے فرماتے ہیں ”ہر وہ کلام دینی حجت ہے جس کی نسبت شارع علیہ السلام کی طرف مستند طریق سے ثابت ہو گو وہ تاریخ ہی کیوں نہ ہو۔“

اس جملے میں تین باتیں قابل غور ہیں (۱) دینی حجت (۲) مستند طریق سے ثابت (۳) گو وہ تاریخ ہی کیوں نہ ہو۔ ہم ان مضامین پر الگ الگ بحث کریں گے۔(۱) دینی حجت۔جمہور کے نزدیک سنت رسولؐ دینی حجت ہے مگر فقہاء کے ہاں یہ حجت مختلف سطحوں میں بدل جاتی ہے:

---

[17] ملتانی، فیض احمد، مولانا، **مقام حدیث مع ازالہ شبہات** (ملتان: مکتبہ حقانیہ)، ۷،۸

اوامر ونواھی کی عام تقسیم درج ذیل ہے:(۱)فرض(۲)واجب(۳) سنت(۴) مستحب پھر حرام، مکروہ تحریمی (۳) مکروہ تنزیہی (۴) مباح۔ دینی حجت ان آٹھ بنیادی حصوں میں تقسیم ہو کر اختلاف کا سبب بنتی ہے اس عنوان پر اسی قدر بحث کے بعد ہم دوسرے عنوان پر گفتگو کرتے ہیں(۲)مستند طریق سے ثابت۔ یہی مقام دراصل موضوع زیر بحث کا اصل نکتہ بحث ہے یعنی جو روایت یا مضمون رسول اللہؐ کی طرف منسوب ہمارے پاس پہنچاہے اس کی قدروقیمت کیاہے وہ مستند ہے یااس میں کوئی کمزوری ہے اگر کمزوری ہے تو اس کی نوعیت کیاہے اخذ حکم میں اس کا درجہ کیاہے یہ بحث محدثین میں بھی موجود ہے اور فقہاء میں تو خاص طور پر بہت نمایاں ہے حدیث کو تاریخ قرار دے کر اس کے حجت ہونے کی بحث اور مستند طریق سے ثابت ہونے کی بحث تقریباً یکساں نوعیت کی بحث ہے اس میں مبالغہ ہوتاہے تو نوبت انکار تک پہنچ جاتی ہے۔

مگر اس سے صرف نظر ہو تا تو نوبت جمود کے شکار ہونے تک پہنچ جاتی ہے دونوں گروہوں کے پاس دلائل ہیں مگر حرکت کو ترجیح حاصل رہنی چاہیے کیونکہ جمود آگے بڑھنے کی صلاحیت کا گلا گھونٹ دیتاہے۔ رہا تیسرا نکتہ کہ خواہ وہ تاریخ ہی کیوں نہ ہو مندرجہ بالا بحث کے بعد اس پر مزید بحث کی ضرورت تو نہیں تاہم اس بارے میں صرف ایک جملہ مفید مطلب رہے گا وہ یہ کہ جو بھی ہو مستند ہو غیر مستند کا کوئی مقام نہ ہے۔

اس کے بعد سات خصوصیات بیان فرمائی ہیں جو تاریخ اور حدیث کے فرق اور حدیث کے امتیاز پر مبنی ہیں۔ اس کا زیادہ تر انحصار سید مناظر احسن گیلانی کی کتاب تدوین حدیث پر کیا گیا ہے اور جگہ جگہ اس کے حوالے ملخصًا درج ہیں۔

اس کے بعد مذکورہ کتاب کے صفحہ ۵۴ سے عہد نبوی میں حفظ حدیث کے عنوان کے تحت صفحہ ۷۸ تک تبع تابعین کے عہد میں حدیث کی کتابت تک مختلف ادوار میں تاریخ حدیث پر مواد مہیا کیا گیا ہے۔ حفظِ حدیث اور کتابت حدیث پر مختلف کتب حدیث سے مواد جمع کر کے نمبروار اور خوبصورت ترتیب سے اسے جمع کیا گیا ہے جس میں یہ ثابت کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے کہ عہد نبویؐ سے عہد تابعینؒ تک حدیث کی حفاظت حفظ کے ذریعے بھی ہوئی اسے احاطہ تحریر میں لاکر بھی کی گئی۔

استدلال میں نقل کا پلڑا بھاری ہے اور ہر درجے کی کتب حدیث سے استدلال کیا گیاہے۔ زیادہ تر جذبات سے اپیل کی گئی ہے مثلاً حفاظت حدیث پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں" اندازہ فرمائیے جس قوم کے نزدیک آپ

کے ایک موئے مبارک کی قدر و قیمت ساری دنیا سے زیادہ ہو اس نے آپ کی زندگی کی نگہداشت میں کس اہتمام اور توجہ سے کام لیا ہو گا۔"[18]

احادیث کی تعداد کے عنوان سے ایک پیراگراف چشم کشا ہے جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

"بقول حضرت العلامہ مناظر احسن گیلانیؒ صحیح، حسن، ضعیف ہر قسم کی تمام حدیثیں جو اس وقت صحاح ستہ، مسند احمد اور دوسری کتابوں میں موجود ہیں ان کی تعداد پچاس ہزار بھی نہیں ہے اور یہ ہر رطب و یابس کے مجموعہ کی تعداد ہے تمام کتابوں سے چھان بین کر ابن جوزی نے انہیں جن کی تنقید کا معیار بہت سخت ہے بلکہ حاکم جو نرمی اور مسامحت میں مشہور ہیں ان کا بیان ہے کہ اول درجے کی صحیح حدیثوں کی تعداد دس ہزار تک بھی نہیں پہنچ سکتی (اور) واقعہ یہی ہے کہ دس ہزار نہیں بلکہ اس سے کہیں زیادہ تعداد میں حدیثیں عہد نبوت اور عہد صحابہؓ میں کتابی شکل اختیار کر چکی تھی۔"[19]

اس کے بعد احادیث کی اتنی زیادہ تعداد کی توجیح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ دراصل طرق کی کثرت ہے مثال دیتے ہوئے لکھا ہے کہ جس طرح حدیث انماالاعمال بالنیات ایک حدیث ہے مگر سات سو طریقوں سے محدثین نے اسے روایت کیا ہے۔ گو یہ ایک حدیث ہے مگر اصطلاح کے تحت بجائے ایک کے اس حدیث کی تعداد سات سو ہو جاتی ہے اب جس محدث کو یہ حدیث سات سو سندوں سے حاصل ہو وہ کہہ سکتا ہے کہ مجھے سات سو حدیثیں یاد ہیں۔[20]

عہد نبوی میں احادیث کے تحریری سرمایہ پر ۲۴ روایتوں کو نقل کر کے ثابت کیا ہے کہ عہد نبوی میں بہت کچھ تحریری سرمایہ حدیث کے بارے میں موجود تھا پھر عہد صحابہؓ کے تحریری سرمایہ پر ۳۳ روایات درج کر کے واضح کیا ہے کہ اس عہد میں بھی احادیث تحریر کرنے کی مختلف شکلیں پائی جاتی تھیں چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

---

18 ملتانی، فیض احمد، مولانا، **مقام حدیث مع ازالہ شبہات**، (ملتان: مکتبہ حقانیہ، س۔ن)، ۵۳

19 ایضاً، ص ۶۱ (بحوالہ تدوین حدیث از مولانا مناظر احسن گیلانی)، ۶۳

20 ایضاً، ۶۲

"عہد نبوی کے ۲۴ حوالہ جات کے ساتھ عہد صحابہؓ کے ان ۳۳ کا اضافہ کیجئے تو ۵۷ بنیں گے ان ۵۷ مستند شواہد سے ثابت ہوا کہ عہد نبوت کی طرح عہد صحابہؓ میں بھی احادیث لکھی جاتی رہیں صحابہ کرام نے خود حدیثیں لکھیں اپنے شاگردوں کی درخواست پر انہیں لکھنے کی اجازت دی بلکہ ان کو حدیثوں کے قلم بند کرنے کا حکم دیا۔"[21]

آخر میں معروف چھ صحابہؓ کرام کے اسماء گرامی ان کی روایتوں کی تعداد اور ان کا سن وفات درج کیا ہے جو کہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ	(۵۳۷۴ سے زائد)	(۶۳ھ)
۲۔ حضرت ابو ھریرۃؓ (۵۳۷۴)		(۵۹ھ)
۳۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۲۶۶۰)		(۶۸ھ)
۴۔ حضرت عبداللہ بن عمر (۱۶۳۰)		(۷۳ھ)
۵۔ حضرت جابر بن عبداللہ (۱۵۶۰)		(۷۸ھ)
۶۔ حضرت انس بن مالک (۱۲۸۶)		(۹۳ھ)[22]

عہد تابعین میں کتابت حدیث:

اس عہد میں کتابت حدیث کے بارے میں دس روایات نقل کی ہیں۔ تبع تابعین کے عہد میں کتابت حدیث کے بارے میں مختلف مؤلفین کے نام اوران کی کتب کے نام تحریر کر کے ثابت کیا ہے کہ اس عہد میں کتابت حدیث کا کام پہلے ادوار کی نسبت تیز ہوگیا۔ آخر میں تدوین و تحریر حدیث کے تین دور کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں:

مسلمانوں میں اخبار و سیّر اور احکام و سنن کی ترتیب و تدوین کے در حقیقت تین دور ہیں۔ اول جب ہر شخص نے اپنی ذاتی معلومات کو یکجا کیا دوسرا دور وہ آیا جب ہر شہر کی معلومات ایک جگہ فراہم کی گئیں اور ان کو موجودہ کتابوں کی صورت میں جمع کیا گیا۔ پہلا دور غالباً ۱۰۰ھ تک قائم رہا دوسرا دور ۱۵۰ھ تک اور تیسرا دور تیسری صدی کے کچھ دنوں بعد تک قائم رہا۔

---

21 ملتانی، فیض احمد، مولانا، **مقام حدیث مع ازالہ شبہات**، (ملتان: مکتبہ حقانیہ، س۔ن)، ۷۲

22 ایضاً، ۵۷

ان ادوار کی تقسیم بحثیت افرادِ کار:

پہلا دور صحابہؓ واکابر تابعین کا تھا دوسرا تبع تابعین کا اور تیسرا ادوار امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام احمد بن حنبل وغیرہ کا تھا۔[23]

تاریخ حدیث کے اس حصے میں زیادہ تر مواد مولانا مناظر احسن گیلانی کی کتاب تدوین حدیث سے لیا گیا ہے اس حصے میں زبان بھی جدید ہوگئی ہے اس میں سلاست وروانی محسوس کی جاسکتی ہے آخری حوالہ سید سلمان ندویؒ کی خطباتِ مدارس سے لیا گیا ہے سید سلمان ندوی صاحب طرز ادیب اور بلند پایہ انشاپرداز ہیں لہٰذہ ان کی اردو زبان کی سادگی وسلاست کے کیا کہنے۔ ہر حال ایک تازگی کا احساس ہوا البتہ دلائل میں عقل کی بجائے جذبات کا پلڑ ابھاری ہے تاہم خوبصورت رنگ اور عشق ومحبت کے سنگ کتابت حدیث پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جہاں بڑے ذوق وشوق سے کتابت حدیث کو عہد نبویؐ سے لے کر عہد تبع تابعین تک تحریری شکل میں جمع ہوتے اور ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتے ظاہر کیا گیا ہے۔ لیکن یہ سوال ہنوز جواب طلب ہے کہ ان ادوار میں ذخیرہ احادیث کا کتنا حصہ ضبطِ تحریر میں موجود تھا اور دورِ تدوین میں جمع ہونے والی احادیث کی تعداد کتنی تھی۔ اہل علم کو دور اول کے جو احادیث کے رسالے وغیرہ ملے ہیں یا انہوں نے ذکر کیے ہیں ان میں احادیث کی تعداد بہت کم تھی جبکہ بعد کا ذخیرہ حدیث لاکھوں تک پہنچا۔

اصول حدیث پر کام کا تنقیدی جائزہ:

ملتان میں تاریخ حدیث پر ہونے والے کام کا تنقیدی جائزہ پیش کرنے کے بعد اب ہم ملتان میں اصولِ حدیث پر ہونے والے کام کا تنقیدی جائزہ پیش کرتے ہیں:

سب سے پہلے ملتان میں اصول حدیث پر ہونے والے کام میں ایک اہم نام علامہ عبد العزیز پرھاروی کا ہے جن کا اصول حدیث پر ایک رسالہ کوثر النبی فی اصول الحدیث النبوی کے نام سے مکتبہ امدادیہ ملتان نے شائع کیا ہے یہ رسالہ عربی زبان میں ہونے کی بنا پر صرف عربی زبان جاننے والوں کیلئے اہمیت کا حامل ہے اردو داں حضرات اس کو عربی زبان نہ جاننے کی وجہ سے سمجھنے اور استفادہ کرنے سے قاصر ہیں۔

[23] ملتانی، فیض احمد، مولانا، **مقام حدیث مع ازالہ شبہات**، (ملتان: مکتبہ حقانیہ ملتان، س ن، ۸۰ (بحوالہ خطبات مدارس)، ۵۷

اس رسالے میں اصول حدیث پر قدیم محدثین کی اصولِ حدیث پر لکھی ہوئی کتب کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے البتہ اس کتاب کے ناشر نے اسمیں کچھ پہلو دورِ جدید کی کتب کے بھی شامل کر دیے ہیں۔ مثلاً فہرست عنوان جو صفحہ نمبر ۳ سے شروع ہوتی ہے اور صفحہ نمبر ۷ پر ختم ہوتی ہے اس میں نمبروار الفصل الاوّل فی شرح الحدیث اور الفصل الثانی اول من صنف فی الحدیث مقدمہ فی معنی الحدیث کے فصل کے عنوان درج کرکے آگے صفحات بھی درج کر دیئے ہیں مگر کتاب کے اندر یہ عنوانات تحریر نہیں ہیں بلکہ لفظ مسئلہ لکھ کر وضاحت کی گئی ہے اسی عنوان کو زیرِ بحث لایا گیا ہے جو فہرست عنوانات میں درج ہے۔ آسان زبان میں اصولِ حدیث پر لکھی گئی کتب میں اس کا شمار ہوتا ہے یہ اس دور میں لکھی گئی جب مسلمانوں میں عربی زبان میں تدریس کا عمل اپنے عروج پر تھا۔ مدرسوں میں عربی اور فارسی زبانیں رائج تھیں فارغ التحصیل افراد عربی زبان پر عبور رکھتے تھے آگے بڑھنے کیلئے یہی زبان واحد ذریعہ تھیں اس دور میں علم اصول حدیث کی یہ اہم خدمت تھی۔

اس کتاب میں اصول حدیث کے تمام موضوعات پر بحث کی گئی ہے اور حدیث کو جانچنے کیلئے جو اصول محدثین نے مقرر کیے ان پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ مولانا عبدالعزیز پرھاروی چونکہ حنفی ہیں اور برصغیر میں حکومتی سطح پر بھی فقہ حنفی ہی رائج تھی اس لیے امام ابو حنیفہ اور فقہ حنفی کے مسائل کو ترجیح دینا اور امام ابو حنیفہ کے مؤقف کو برتر ثابت کرنا اس دور کا ایک اہم انداز تھا۔ چنانچہ مولانا عبدالعزیز نے بھی امام ابو حنیفہ کو موضوع بحث بنایا ہے اور ان کے حوالے سے کلام کیا ہے مثلاً فہرست عنوانات میں نمبر ۱۴ پر عنوان درج ہے مناظرہ ابی حنیفہ مع الاوزاعی فی رفع الایدی اور اس عنوان کے تحت صفحہ ۲۴ پر تحریر کرتے ہیں کہ:

"مسئلہ وروی الخوارزمی ان الامامَ اباحنیفہ اجتمع مع الاوزاعی بمکہ فی دارالحناطین فقال الاوزاعی مالکم لا ترفعون ایدیکم عند الرکوع والرفع منہ فقال رجل انہ لم یصح عن رسول اللہ ﷺ فیہ شیئ فقال الاوزاعی کیف لم یصح وقد حدثنی الزھری عن سالم عن ابیہ ان رسول اللہ ﷺ کان یرفع یدیہ اذا افتتح الصلوٰہ وعند الرکوع والرفع منہ فقال ابو حنفیہ حدثنا حماد عن ابراہیم عن علقمہ والاسود عن عبداللہ بن مسعود ان البنی ﷺ لایرفع یدیہ لا عند افتتاح الصلوٰۃ ثم لایعود فقال الاوزاعی احدثك عن الزھری عن سالم عن ابیہ وتقول حدثنی حماد عن ابراہیم فقال ابو حنیفہ کان حماد افقہ من سالم

وعلقمة ليس بدون ابن عمر رضی اللہ عنہ فی الفقه و ان كانت لابن عمر رضی اللہ عنہ فضل صحبته فالاسود له فضل كثير وعبدالله هو عبدالله قال ابن همام فترجح بفقه الرواة كما ترجح الاوزاعی بعلو الاسناد وهو المذهب المنصور عندنا انتهى فقوله لم يصح معناه لم يصح شيئ يصلح حجة بلا معارض وليس المراد ان اسناد الزهری غير صحيح"[24]

ابوحنیفہ اور امام اوزاعی کے مناظرہ کو نقل کر کے دراصل فقہاء کے اس اصولِ حدیث کو بیان کرنا مقصود ہے کہ فقیہہ راوی کی روایت کو کم فقیہہ راوی کی راویت پر ترجیح حاصل ہو گی۔

۱۸۹ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں مولانا عبدالعزیز پرھاروی نے اصولِ حدیث کو بڑی تفصیل سے بیا ن کیا ہے اپنے عہد کے اسلوب پر لکھی گئی یہ کتاب علم حدیث کے میدان میں بڑی اہمیت کی حامل ہے اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ تین صدیاں گزرنے کے باوجود مولانا عبدالعزیز کا نام بھی زندہ ہے اس سے بڑھ کر ان کا علمی کام علم کی آبیاری کر رہی ہے۔

اب اصول حدیث پر مولانا خیر محمد جالندھری کے رسالے خیر الاصول فی حدیث الرسول کا ذکر کرتے ہیں۔ مولانا خیر محمد جالندھری نے یہ مختصر رسالہ اصولِ حدیث پر تالیف کیا ہے اس رسالہ کے کل ۱۶ صفحات ہیں جن میں صفحہ ۱۱ تک اصولِ حدیث پر کلام کیا گیا ہے۔ صفحہ ۱۲ پر ضمیمہ کے تحت احناف کے بارے میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی غنیۃ الطالبین میں بیان کی گئی رائے کی وضاحت کی گئی ہے جبکہ صفحہ ۱۳ سے ۱۵ تک مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کا رسالہ اصولِ حدیث نظم فارسی درج ہے اور آخری صفحہ پر عربی زبان میں بعض اصلاحات کی وضاحت کی گئی ہے یہ رسالہ اصولِ حدیث پر بہت مختصر مواد پر مشتمل ہے مختلف عنوانات کے تحت ایک ایک سطر کی وضاحت کی گی ہے اس سے اصول حدیث کے بارے میں ابتدائی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ مثلاً خبر متواتر کی تعریف میں لکھا ہے وہ حدیث ہے جس کے روایت کرنے والے ہر زمانہ میں اس قدر کثیر ہوں کہ ان سب کے جھوٹ ہر اتفاق کر لینے کو عقل سلیم محال سمجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ مدرسے کی ابتدائی کلاسز کے طلبہ کی ضرورت پوری کرنے کیلئے تحریر کیا گیا ہو گا۔ کیونکہ مبتدی طلبہ کیلئے اسی قسم کے مواد کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر رسالے کا نام خیر الاصول فی حدیث الرسول میں خیر کا لفظ مؤلف خیر محمد سے مطابقت رکھتا ہے یہ ایک اسلوب ہے جس کا آغاز تو اعلیٰ علمی ذھانت

---

24 پرھاروی، عبدالعزیز، مولانا، **کوثر النبی ﷺ**، (ملتان: مکتبہ امدادیہ، س۔ن)، ۲۴ تا ۲۵

کی نمائندگی کیلئے ہوا ہوگا لیکن اب عربی مدرسوں کے نام رکھتے ہوئے اکثر مہتمم حضرات نے اپنے نام کے بعد یا پہلے جامعہ کا لفظ لگالیا ہے۔ ایسے مدارس میں بچوں کی تعداد خواہ کتنی قلیل ہو مگر مہتمم حضرات کے روزگار کا خوب سامان مہیا ہوتا رہتا ہے۔

رسالے کی زبان بھی خاصی بوجھل ہے کیونکہ درس نظامی کے فارغ التحصیل فاضلین جنہوں نے اپنی ساری توجہ عربی مدارس پر رکھی اور جدید علوم کے قریب بھی نہ گئے ان کی زبان سہل نہ ہو سکی اور اردو زبان نے ترقی کر کے جو درجہ حاصل کر لیا ان حضرات کی زبان وہ درجہ حاصل نہ کر سکی عربی علوم کے اتنے بڑے فاضل ہونے کے باوجود ان کے قاری سہل اردو سے محروم ہی رہے۔

اب سید احمد سعید شاہ کاظمی صاحب کے کام کا جائزہ پیش خدمت ہے آپ کا یہ کام بھی ان کے مقالات پر کتب میں مختلف مضامین کی صورت میں بکھرا ہوا ہے۔ مقالات کاظمی کے نام سے آپ کی کتاب کے حصہ اول میں مضامین صفحہ ۲۵۱ سے صفحہ ۲۵۸ تک پھیلے ہوئے ہیں آٹھ صفحات پر مشتمل یہ مضامین ۹ عنوانات پر مشتمل ہیں یعنی اوسطاً ایک مضمون ایک صفحہ پر مشتمل ہے اس خاکے سے اچھی طرح محسوس کیا جاسکتا ہے کہ اس میدان میں علامہ صاحب نے کوئی تحقیق یا تفصیلی کام نہیں کیا بس گزشتہ کتب میں پائے جانے والے مواد کو اپنے الفاظ میں نقل کر دیا ہے اس کا فائدہ یہ ہوا کہ ان کے عقیدت مند طبقہ کو اردو زبان میں اصول حدیث کے بارے میں چند ابتدائی معلومات حاصل ہو گئیں۔ اصول حدیث پر شاہ صاحب نے جن عنوانوں کے تحت مضامین درج کیے ہیں ان کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے پھر ان کا تنقیدی جائزہ پیش کیا جائے گا۔(۱) علم اصول حدیث کی بعض ضروری اصلاحات (۲) تقریر (۳) حدیث اور اثر اور خبر (۴) سنت (۵) تعدد رواۃ کے اعتبار سے حدیث کی اقسام (۶) احادیث صحیحہ اور ان کے مراتب و درجات میں تفاوت (۷) علم حدیث میں مشغول ہونے والوں کی اقسام (۸) بعض اقسام کتب حدیث (۹) حدثنا اخبرنا، انبانا کا فرق۔

سنت کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں: "سنت طریقہ کو کہتے ہیں اور لسانِ شرع میں طریقہ مسلوکہ فی الدین کا نام سنت ہے یعنی امور دینیہ میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہؐ کا جاری کیا ہوا طریقہ سنت ہے خصوصاً رسول اکرم ﷺ کا طریقہ سنت نبوی کہلاتا ہے محدثین صحابہ کرامؓ اور خلفا راشدین کے پسندیدہ طریقوں کو بھی سنت کہتے ہیں۔[25]

[25] مقالات کاظمی، ۲۵۲ - ۲۵۳

سنت کی اس تعریف میں الفاظ اپنے مفہوم کو بیان کرنے کیلئے استعمال ہوئے ہیں ان پر عربی کا غلبہ ہے اور اردو داں طبقے کے فہم سے بالاتر ہیں۔ دوسری بات یہ کہ سنت کے بارے میں ابتدائی معلومات فراہم کی گئیں ہیں سنت اور حدیث میں فرق کی بحث، سنت محدثین کے ہاں اور سنت کا مفہوم فقہا کے ہاں وغیرہ بحثوں کو یہاں موضوعِ گفتگو نہیں بنایا گیا۔ حالانکہ علمی دنیا میں یہ بحثیں عام ہیں اور عامیوں کیلئے بھی ان کی قدر قیمت اہمیت کی حامل ہے یہاں اللہ اور رسول ﷺ کے جاری کردہ اور صحابہؓ اور خلفا راشدین کے پسندیدہ طریقوں کو سنت قرار دیا گیا ہے۔ یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ اللہ کا جاری کردہ طریقہ کن معنوں میں سنت ہے اور رسول ﷺ کا جاری کردہ طریقہ کیوں سنت کہلاتا ہے اور صحابہؓ و خلفاء راشدین کے پسندیدہ طریقے کس درجے اور کن معنوں میں سنت کہلاتے ہیں اور علم اصول حدیث میں سنت کا معنی و مفہوم کیا ہے اور اس بارے میں محدثین کیا کیا رائے رکھتے ہیں یہاں شاید ان بحثوں کو اپنے سارے پہلوؤں کے ساتھ زیر بحث لانا محترم شاہ صاحب کا مقصد نہیں تھا۔ کیونکہ وہ اگر ان پہلوؤں کو زیر بحث لانا چاہتے تو وہ اس کے اہل تھے اور وافر علم کے حامل تھے۔ یہاں دراصل اختصار مطلوب تھا۔ لہٰذا انہوں نے مختصر تعریف درج کر دی پس اس کام کو تحقیقی کام قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اس سلسلے میں ایک اور مقام مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے صفحہ ۲۵۵ پر احادیث صحیحہ اور ان کے مراتب و درجات میں تفاوت کے عنوان سے تھوڑی سی تمہید کے بعد ترتیب وار مراتب بیان کیے ہیں جو درج ہیں۔ ۱- قوت و صحت میں سب سے اعلیٰ درجے کی وہ احادیث میں جو بخاری و مسلم دونوں کی متفق علیہ ہیں۔ ۲-ان کے بعد وہ حدیثیں ہیں جو صرف صحیح بخاری میں ہیں۔ ۳- پھر وہ جو صرف مسلم میں ہیں۔ ۴- پھر وہ جو شرائط شیخین کے موافق ہیں[26] ۵-ان کے بعد وہ حدیثیں جو صرف امام بخاری کی شرط پر ہیں۔ ۶- پھر وہ جو صرف امام مسلم کی شرط کے موافق ہیں۔ ۷-ان کے بعد ان احادیث کا درجہ ہے جنہیں بقیہ اصحاب صحاح ستہ نے اپنی شرائط کے مطابق صحیح قرار دیا ہو۔ احادیث کے درجات بلحاظ سند بیان ہوئے ہیں ان کی تعداد ۷ ہے یعنی محدثین کے نزدیک سند کے سات درجات ہیں جو مختصر طور پر بیان کر دیے گئے ان کی زبان سادہ اور سہل ہے اور عام قاری بھی ان جملوں کا مفہوم سمجھ سکتا ہے البتہ حقیقت جاننے کیلئے اسے علم حدیث سے واقفیت ہونا ضروری ہے۔

[26] **مقالات کاظمی، ۲۵۵**

اب ہم مولانا فیض احمد صاحب کے اصولِ حدیث پر کام کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔ مولانا فیض احمد صاحب نے اپنے رسالے مقام حدیث جو بعد ان کی بڑی کتاب "المسائل والدلائل" کے حصے کے طور پر شائع ہوئی میں اصول حدیث کے بارے میں صفحہ ۱۳ پر حدیث مقبول ہونے کی شرطیں اور صفحہ ۱۴ پر صحیح اور جعلی حدیث پر کھنے کا معیار برہانی کے عنوان سے شرائط کا ذکر کیا ہے ان دو عنوانات کے علاوہ آپ نے اصول حدیث پر کچھ اور تحریر نہیں کیا یہ دراصل سند کے صحیح ہونے کی شرائط اور متن کو جانچنے کے معیار پر مبنی مواد ہے۔ اسمیں وہی شرائط درج ہیں جو اصول حدیث کی کتابوں میں درج ہیں۔ مولانا فیض احمد صاحب نے اس مواد کو مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب کی کتاب حجیت حدیث سے حوالے کے ساتھ نقل کیا ہے سند کے صحیح ہونے کی شرائط درج ذیل ہیں:

(۱)صادق ہو عمر بھر حدیث رسول کے سلسلہ میں کبھی جھوٹ نہ بولا ہو(۲) صحیح فہم والا ہو غبی اور بدعقل نہ ہو حدیث کے سمجھنے میں غلطی نہ کرتا ہو(۳) صحیح حافظہ والا ہو نسیان ووہم کے غلبہ کا شکار نہ ہو چکا ہو(۴) ثقہ اور متقی ہو، فاسق، فاجر، اور بدکار نہ ہو(۵) محتاط ہو روایت میں سہل انگاری سے کام نہ لیتا ہو(۶) حدیث میں جعل سازی کی اس پر کوئی تہمت اور شبہ بھی نہ ہو(۷) معروف ہو مجہول نہ ہو۔۔۔(۸) اس کی روایت میں کسی قسم کا اختلاف وتعارض نہ ہو(۹) سلسلہ سند متصل ہو۔۔۔(۱۰) سلسلہ سند جس شخص پر منتہی ہو اس کیلئے یہ شرط ہے کہ روایت قوی ہو تو اس نے خود سنا ہو فعلی ہو تو آنکھوں سے دیکھا ہو۔[27]

متن کو جانچنے کا معیار بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں محدثین نے ایک عظیم الشان اور لاثانی "معیارِ برہانی" بھی مقرر کیا ہے جس سے بہتر معیار مقرر کرنا انسانی علم وفہم اور عقل وخرد سے بالاتر چیز ہے اور وہ معیار یہ ہے موضوع حدیث کی پندرہ علامتیں ہیں:

(۱) نص قرآنی کے مخالف ہو(۲) سنت متواترہ کے مخالف ہو(۳) اجماعِ قطعی کے مخالف ہو(۴) عقل سلیم اسے محال سمجھتی ہو عقل مقیم کا کوئی اعتبار نہیں(۵) شریعت کے قواعد کلیہ اور مسلمہ کے خلاف ہو(۶) سلسلہ سند میں ایک راوی بھی ایسا پایا جاوے جس سے حدیث نبویؐ کے بارے میں جھوٹ ثابت ہو اگرچہ عمر بھر میں ایک

---

[27] **مقام حدیث**، ۱۳ ۔ ۱۴

مرتبہ ہی سہی (۷) صحابہ کے مطاعن میں رافضی یا اہل بیت کے مطاعن میں خارجی روایت کرے (۸) قرینہ حالیہ اس کے کذب پر شاہد ہو (۹) روایت کا مضمون ایسا ہو کہ جس کا جاننا تمام مکلفین پر فرض ہو اور لاعلمی کا کوئی عذر بھی نہ ہو مگر باں ہمہ اس کا روایت کرنے والا سوا ایک کے اور کوئی نہ ہو (۱۰) جس زمانہ کا وہ واقعہ بیان کرے وہ صحیح تاریخی شہادت کے صریح خلاف ہو (۱۱) حدیث کے الفاظ یا معنی ایسے رکیک ہوں کہ قواعد عربیت کے مطابق نہ ہوں یا شانِ نبوت ورسالت کے مناسب نہ ہوں (۱۲) معمولی کام پر غیر معمولی اجر کا وعدہ یا سخت عذاب کی دھمکی ہو (۱۳) حدیث کسی ایک ایسے محسوس وشاہد واقعہ کے بیان پر مشتمل ہو کہ اگر وہ وقوع پذیر ہوتا تو نقل کرنے والے ہزاروں کی تعداد میں ہوتے لیکن اب اس ایک رواى کے سوا اور کوئی روایت کرنے والا نہیں (۱۴) یا اس واقعہ میں شریک ہونے والے اس ایک راوی کے خلاف اس قدر کثرت سے روایت کریں کہ ان کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا عقلاً محال ہو (۱۵) واضع حدیث خود حدیث میں جعل سازی کرنے کا اعتراف کرے۔[28]

سند اور متن کے جانچنے کے ۹ اور ۱۵ کل ۲۴ اصول درج کیے گئے ہیں مولانا نے یہ اصول عربی کتب سے براہِ راست لینے کی بجائے مولانا ادریس کاندھلوی صاحب کی کتاب حجیت حدیث سے لیے ہیں من وعن نقل کرنے کی بجائے ان کا اختصار پیش کیا ہے جس کا حوالہ بھی دے دیا ہے سند کے صحیح ہونے اور متن کے جانچنے کیلئے عام اہل علم کیلئے مناسب رہنمائی کا سامان موجود ہے۔

---

[28] **مقام حدیث**، ۱۴ ـ ۱۵

مجموعی تبصرہ وحاصل کلام:

تاریخ واصولِ حدیث پر ہونے والے کام کا انفرادی جائزے کے بعد مجموعی طور پر اس پر ایک نظر ڈالنے سے یہ بات ہمارے سامنے آتی ہے کہ ملتان میں تاریخ واصول حدیث پر کم کام ہوا ہے اس کا ایک سبب تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر میں اسلام کا اقتدار وسطی ایشیاء کے فاتحین کے ذریعے قائم ہوا اور اسلامی تعلیمات صوفیاء کرام کے ذریعے پھیلیں۔فاتحین کیلئے حکومتی معاملات چلانے کیلئے فقہ کی ضرورت تھی چنانچہ فقہ اور اصول فقہ حکمرانوں کی ضرورت کے پیش نظر فروغ پذیر رہے جبکہ صوفیا کرام کی مشغولیت تصوف میں زیادہ رہی وہ اوراد ووظائف کے ذریعے لوگوں کے دلوں کی صفائی اور اپنے اپنے ملفوظات کے ذریعے ان کی شخصیتوں کی تعمیر کرتے رہے۔حدیث مدارس کے سلیبس میں شامل رہی بھی تو مختصر طور پر اور اہل علم کی وہ توجہ حاصل نہ کر سکی جو توجہ اسے محمد بن عبدالوہاب اور شاہ ولی اللہؒ کی تحاریک احیاء العلوم کے بعد حاصل ہوئی۔